سلسلہ مطبوعات (۵۳)

تقویٰ کیا ہے؟

امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ

شاہ ولی اللہ میڈیا فاؤنڈیشن

خانوادۂ ولی اللہی ... [illegible] ... کی دیگر مطبوعات

- ★ دین کے معاشی نظام میں ... [illegible]
- ★ قرآنی اصول معاشیات
- ★ اجتماعی مسائل کا ولی اللہی حل
- ★ شعوری تقاضے
- ★ جدوجہد اور نوجوان
- ★ اسلام کا اقتصادی نظام ایک تقابلی جائزہ
- ★ ولی اللہی تحریک
- ★ امام شاہ عبدالعزیزؒ افکار اور خدمات
- ★ نظام کیا ہے؟
- ★ فرد اور اجتماعیت
- ★ عبادت وخلافت
- ★ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کا تصور دین
- ★ غلبہ دین اور عبادات
- ★ ثنائے خداوندی
- ★ جدوجہد آزادی کا مختصر جائزہ
- ★ دینی تمدن کی تشکیل نو

- ★ [illegible]
- ★ [illegible] آزادی
- ★ فکر ولی اللہی نظام فکر کی عصری اہمیت
- ★ دین وحدت
- ★ ولی اللہی جماعت کا انقلابی کردار اور ہماری ذمہ داریاں
- ★ آزادی کی ... کا خاکہ
- ★ عزیمت (۱)
- ★ عزیمت (۲)
- ★ مولانا سندھیؒ کا ایک اہم مکتوب
- ★ جہاد کیا ہے؟
- ★ شاہ عبدالعزیزؒ کے پوتے اور ان کے جانشین
- ★ خانقاہ رائے پور
- ★ عزیمت (۳)
- ★ غلبہ دین اور اس کے عملی تقاضے
- ★ تقویٰ کیا ہے؟
- ★ دین حق اور برصغیر کا سامراجی نظام تعلیم

ملنے کا پتہ

(1) ... 56 ... لاہور
(2) ... 363 ... ملتان

تقویٰ کیا ہے؟

سورۃ النحل کی آیت نمبر ۹۰ کی تفسیر

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ غنیۃ الطالبین میں ''تقویٰ'' کی تشریح اس آیت سے کرتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآیٔ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ۔

(بلاشبہ اللہ انصاف کرنے کا اور بھلائی کرنے کا اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی سے اور نامعقول کام سے اور سرکشی سے منع کرتا ہے۔ وہ تمہیں سمجھاتا ہے تاکہ تم یاد رکھو)

(**ان اللہ یامر بالعدل**) اللہ عدل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ عدل کے معنی ہیں کہ جو چیز اپنے نفس کیلئے چاہیے اس چیز کا ویسا ہی حق دوسروں کو بھی دیا جائے۔ حدیث میں ہے **ان یحب لا خیہ ما یحب لنفسہ**۔ یہ اخوت دو درجے رکھتی ہے۔ بنی آدم بھی بھائی ہیں۔ انسانیت کا قاعدہ یہ ہے کہ دوسروں (انسانی برادری) سے ایسا معاملہ کریں جو خود اپنے لئے پسند کرتے ہیں۔ جب انسانی جماعت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی تو جس حصے میں ہم ہیں اس کا ہر فرد ہمارا دینی بھائی ہے۔ لہذا اب معنیٰ یہ بھی ہوں گے کہ **یحب لا خیہ المسلم ما یحب لنفسہ** اور اس مضمون کو دوسرے الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں تو مساوات فی الحقوق ہو جائے گا۔ شاہ صاحب نے **کتب علیکم القصاص** (سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۷۸) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ **کتب علیکم المساواۃ ولکم فی المساوۃ حیاۃ** (تم پر مساوات فرض ہے اور تمہارے لئے

مساوات میں زندگی ہے)اس کی مثال ایسی ہے کہ انسان کے معدے میں جو غذا پہنچتی ہے ہر ایک عضو کو اس کا مساوی حق ہے۔ اگر بدن کی مدبر (نظام چلانے والی) قوت ہر عضو کو اس کا حق پہنچائے گی تو انسان زندہ رہے گا ورنہ مر جائے گا۔ اگر کسی عضو کو غذا نہیں پہنچائی جائے گی تو بیماری پیدا ہوگی اور نتیجہ موت نکلے گا۔ اسی طرح جماعت کی زندگی افراد کی مساواۃ فی الحقوق پر مبنی ہے۔ جس جماعت کے افراد میں حقوق کی مساوات ہے وہ زندہ ہے۔ جب کسی فرد سے مساوات نہیں برتی جائے گی تو وہ جماعت بیمار ہو کر مر جائے گی (فنا ہو جائے گی) مسلمان پہلے ایک جماعت تھے پھر اس میں مختلف جماعتیں پیدا ہو گئیں۔ ہندی، ایرانی وغیرہ تو ان جماعتوں کی زندگی بھی حقوق مساوات پر موقوف ہے۔ مثلاً ہندوستان میں ایک خاندان ہے تو اس خاندان کی زندگی بھی مساوات فی الحقوق پر ہے۔ اس سے نیچے ایک گھر ہے۔ اگر اس گھر میں سب کو مساوات فی الحقوق کا درجہ حاصل ہے تو یہ گھر چلے گا ورنہ بگڑ جائے گا۔ یہ ہے عدل کی تفسیر.......... تعجب کی بات یہ ہے کہ فرانس کے انقلاب سے لے کر آج تک تمام انقلابیوں کا نعرہ مساوات ہے۔ شاہ صاحب انقلاب فرانس سے پہلے آئے ہیں۔ اللہ کی قدرت کہ وہ اس لفظ کو قرآن کی تفسیر میں استعمال کرتے ہیں۔ بڑی خرابی مسلمانوں میں یہ ہے کہ انفرادیت کا تخیل اور بڑے آدمی کا انتظار کرتے ہیں۔ اس کا رد ہے اجتماعیت کا تخیل اور اللہ پر اعتماد۔ قرآن میں آپ کو یہی بات سمجھائی جائے گی کہ اپنی ایسی ہی جماعت بنائیں اور اللہ کے سوا کسی اور پر اعتماد نہ کریں۔

(والاحسان) احسان کے دو رخ ہیں۔ ایک یہ کہ انسان جس سے نیکی کرے اس کے تقاضے کے مطابق اس کے معاوضے کا جتنا حق بنتا ہو اس کو دیدے۔ انسان کسی کے ساتھ نیکی کا سلوک کرتا ہے تو دوسرے کو بھی اس کے ساتھ نیکی کرنی چاہیئے۔ لیکن اپنا حق اگر کوئی ساقط کر دے (دستبردار ہو جائے) تو اس کو احسان کہا جائے گا۔ اب یہاں ہم عمیق (گہری) نظر سے ایک باریک نقطۂ نظر پر پہنچنا چاہتے ہیں۔ ہم اپنا حق کیوں چھوڑ دیتے ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دوسرے شخص میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ ہمیں معاوضہ دے سکے۔ اس میں یہ طاقت کیوں نہیں

ہے؟ بعض اوقات اس آدمی کی بدعملی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ اس میں دینے کی طاقت نہیں ہوتی۔ مثلاً اس کو ورثے میں بہت مال ملا تھا لیکن اس نے بے عقلی سے ضائع کر دیا اس لئے وہ معاوضہ نہیں دے سکتا۔ لیکن بعض اوقات آدمی کا کوئی قصور نہیں ہوتا بلکہ قدرتی اسباب ایسے ہو جاتے ہیں کہ وہ مجبور ہو جاتا ہے۔ صحرا میں ایک قوم رہتی ہے۔ بارش نہ ہونے کی وجہ سے وہ بھوکے ہیں اور ان کیلئے کوئی چارہ نہیں ہے۔ تو جس انسان کو قدرتی اعتبار سے (سامان نہ ہونے کی وجہ سے) معاوضہ دینے کی طاقت نہیں ہے اور اس سے معاوضہ طلب نہ کیا جائے تو درحقیقت معاوضہ ہم اللہ سے مانگتے ہیں۔ اس کو اللہ کے واسطے (في سبيل الله) دینا کہا جاتا ہے۔ انسانیت تجربہ کر چکی ہے کہ لوگوں کو بلا امید معاوضہ (دیا جائے) تو اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ (بڑھا کر) معاوضہ دیتا ہے۔ گویا (ایسا) شخص اللہ کی طرف سے مامور ہے کہ اس مسکین کو پہنچا دے۔ یعنی اللہ تعالیٰ احسان کا حکم دیتا ہے۔ (ان کے ساتھ) جو لوگ قدرتی اسباب سے معذور ہو گئے ہیں۔ تو آدمی پر فرض ہے کہ جو کچھ اپنی ضروریات سے زیادہ (فالتو) ہے ان کو دے اور معاوضہ نہ مانگے اور یہ کام یہ سمجھ کر کیا جائے کہ ہم اللہ کو دیکھ رہے ہیں یا اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے اور اسکے روبرو اس کے حکم کی تعمیل میں، اسکے بندے کو ایک چیز پہنچا رہے ہیں۔ یہ احسان کا دوسرا رخ ہے۔ (جس کا ذکر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ **الاحسان ان تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك۔** (احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی بندگی اس طرح کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو پس اگر تم اسے نہیں دیکھ پا رہے تو بلاشبہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے) اس تصور کا فائدہ یہ ہوگا کہ انسان اس مسکین کو کسی طرح بھی تکلیف نہیں دے سکتا، اس پر کوئی احسان نہیں جتائے گا اور اس کو اپنے سے کمتر نہیں سمجھے گا۔ قرآن پاک میں ہے **لاتبطلوا صدقتكم بالمن والاذى۔** (اپنے صدقات احسان جتلا کر اور اذیت پہنچا کر ضائع مت کرو) جس وقت انسان یہ تصور رکھتا ہے کہ میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں تو وہ مساکین کو من واذیٰ (احسان جتانا اور اذیت پہنچانا) سے تکلیف دے سکتا ہے؟ یاد رکھیں کہ اس طرح محتاج کی مدد کرنا وہ کھڑکی ہے جس سے انسان کی غلامی پیدا ہوتی ہے۔ اگر بلا معاوضہ

نہیں دیتا تو وہ محتاج سے بھی معاوضہ طلب کرے گا اور کم سے کم معاوضہ یہ ہوگا کہ وہ مسکین اس مالدار کی اپنے سے زیادہ عزت کرے گا اور وہ غنی شخص اس کو مجبور کرے گا کہ وہ ایسا کرتا رہے، ورنہ وہ اس کو دے گا ہی نہیں۔ پھر یہاں سے غلامی اور ظلم شروع ہوگا۔ لہذا بلا معاوضہ دینے کا خیال آدمی میں پیدا کرنے میں جتنا اللہ پر اعتماد کرنے کا دخل ہے اتنا اور کسی چیز کا نہیں ہے۔ اعلیٰ فلسفے میں تو اللہ کو ماننا ضروری ہے انسان کی روزمرہ زندگی میں اللہ کے ماننے کی کیا ضرورت ہے؟ تو اس کا (جواب یہ ہے کہ اس میں) یہ فائدہ ہے قدرتی اسباب آدمی کو محتاج بنانے میں ایسے گردش کرتے ہیں جیسے رات اور دن، اقوام میں، خاندان میں اور گھروں میں محتاجی قدرتی اسباب سے تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ آج جو انسان غنی ہے اور اللہ کو سامنے رکھ کر محتاج کی مدد کر رہا ہے۔ اس کو ایذا نہیں دیتا اور اس پر احسان بھی نہیں جتاتا تو اس کو دنیا کی زندگی میں یہ فائدہ ملے گا کہ اگر وہ محتاج ہو جائے (جیسا کہ بڑے شہروں میں ہوتا ہے کہ آج ایک کروڑ پتی ہے کل مسکین بن گیا، آگ لگنے سے شہر اور محلے جل کر تباہ ہو جاتے ہیں اور آدمی محتاج ہو جاتا ہے) تو لوگ اس کے کام بغیر (اس کی) احتیاج اور من (اپنا احسان) جتانے کے پورے کریں گے اور انسان کو اس وقت اللہ یاد آئے گا۔

(**وایتائ ذی القربی**) رشتے دار جو چیز مانگیں ان کو دے دینی چاہیے یہاں محتاجی کی قید نہیں ہے۔ ایک رشتہ دار دوسرے رشتہ دار سے امید رکھتا ہے۔ اگر اس کی امید پوری ہوگی تو اس کا دل خوش ہو جائے گا لہذا وہ چیز اس کو دے دینی چاہیے کہ اس کی امید پوری ہو۔ اللہ اس کا حکم دیتا ہے۔ ماں باپ چاہتے ہیں کہ اولاد آ کر ان کو پانی پلا دے گو ان کو احتیاج نہیں ہے۔ وہ پانی خود بھی پی سکتے ہیں یا نوکر کو کہہ سکتے ہیں کہ ان کو پانی پلا دے۔ تو ماں باپ کو پانی پلانا **ایتائ ذی القربیٰ** ہے۔ فقہ کی کتابیں حکومت کے قانون کے مطابق لکھی ہوئی ہیں۔ حاکم بیٹے کو کب مجبور کرے گا کہ باپ کی خدمت بجا لائے؟ (اس کا فقہی جواب یہ ہے) کہ جب باپ محتاج ہوگا اور وہ بھی صرف اس حد تک کہ اس کی ضرورت پوری ہو جائے۔ بچے کو مسجد میں پہلے یہ بات پڑھائی

جاتی ہے کہ ایتائ ذی القربیٰ کے یہی معنی ہیں اور اس غلطی کے باعث وہ بہت سی برکات سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس کو یہ سمجھایا جائے کہ انت وما لک لابیک (تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے) اور اس کو یہ بھی سمجھایا جائے کہ یہ تمہارا اپنا فرض ہے لیکن حکومت اس وقت مجبور کرے گی جب فلاں مشکل پیدا ہوگی، پھر (بعض ناسمجھ لوگ) کہیں گے کہ فقہ کا مسئلہ غلط ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ نادان استاد کا یہ نتیجہ ہے کہ اس کے اخلاق کی حالت بہت بری ہو گئی ہے۔ ہندو، ماں باپ کا بہت خیال کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ ہی پڑوس میں جو مسلمان رہتا ہے اپنے والدین کا اتنا خیال نہیں رکھتا۔ لوگ یہ کہیں کہ یہ اسلام کی تعلیم ہے لیکن دراصل یہ ایک جاہل ملا (طریقت و سیاست سے ناآشنا) کی تعلیم کا نتیجہ ہے تو ایتائ ذی القربی فرض ہے۔ جو اقرباء (نزدیکی رشتے دار) ہیں ان کا حق زیادہ ہے اور جیسے جیسے بعید (دور) ہوتے جائیں گے ان کا حق کم ہوتا جائے گا۔ یہ انسان کا فطری تقاضا ہے۔ پیدائشی طور پر اللہ نے اس میں یہ خوبی رکھی ہے اس فطری تقاضے کے پورا کرنے کا اللہ حکم دیتا ہے انسان اگر یہ فطری تقاضا پورا کرے تو اس کو دنیا میں رہنے کی پوری سمجھ آ جائے گی۔ پھر جو شخص اپنے رشتہ داروں سے ایسا سلوک کرے گا اور وہ گاؤں کا بڑا بن گیا تو اس کو حکماً امر کریں گے کہ جو تم سے بڑا ہے اسے اپنے باپ جیسا سمجھو، اپنے ہم عمر کو بھائی جیسا اور (اپنے سے) چھوٹے کو بیٹے جیسا جانو گے تو گاؤں میں تمہاری حکومت قائم رہ سکے گی۔ اس کو قانون میں جتنا الجھائیں گے اور جتنے لمبے قانون بنائیں گے تو آخر میں فیصلہ حاکم کی رائے کے مطابق ہوگا۔ پھر اگر حاکم ٹیڑھی طبیعت کا ہے تو قانون کو خراب کر دے گا۔ اس لئے قانون مختصر بنانا چاہیئے تاکہ ہر شخص سمجھ سکے۔ قانون پر عمل کرنے والی جماعت ایسی بنائی جائے جو انصاف پر چلنا پسند کرتی ہو۔

انسان کی مذاق پسندی (عمدہ تعلقات) اپنے رشتہ داروں میں ظاہر ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے کہ خیر کم خیر کم لاھلہ قانون کے واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے خیر کم من تعلم القرآن وعلمہ۔ قرآن میں قانون کی روح رکھی ہوئی ہے، فقہ جیسی زیادہ

قیود نہیں ہیں، آسان آسان قاعدے ہیں۔ ہم نے تجربہ کیا ہے کہ جتنے لمبے قانون بنائے جاتے ہیں اتنا ہی زیادہ خیانت کا موقع ملتا ہے۔ انسان جس جماعت میں بچپن سے تربیت پا رہا ہے وہاں اخلاق سیکھتا ہے، انسانیت میں ایسے کئی تجربے ہوئے ہیں۔ ایک بچے کو اپنے خاندان میں تربیت دی جائے اور دوسرے کو کسی غیر خاندان میں (جہاں وہ پیدا نہیں ہوا ہے) تو حق پسندی اور انصاف کی خواہش اس میں زیادہ ترقی کرتی ہے جو اپنے خاندان میں تربیت حاصل کرتا ہے۔ دوسرے بچے کو کچھ اور خوبیاں حاصل ہوں گی اس میں تیزی آ جائے گی لیکن وہ اپنے اندر ایک تلخی محسوس کرتا رہے گا۔ اس تلخی کی وجہ سے وہ حق و انصاف کو محسوس نہیں کر سکتا۔ لہذا انسان کے ترقی کرانے کے واسطے یہ راستہ صحیح نہیں ہے کہ اس کو ذوی القربی سے جدا کر کے تربیت کی جائے اور صحیح راستہ یہ ہے کہ اس خاندان میں اس کو صحیح علم پہنچایا جائے۔ ایک خاص قسم کے لوگ پیدا کرنے مقصود ہوں تو بچے کو باہر تربیت دیجائے۔ کسی سیاسی نظریئے کی تائید کیلئے لشکر کی شکل میں، ایک خونخوار جماعت تیار کرنی ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ بچوں کو والدین سے جدا کر کے اس نظریئے والے لوگوں کے زیر اثر ان کی تربیت کی جائے۔ وہ بچے اپنے والدین کی شفقت سے محروم ہیں اور ان کی شفقت معاوضے کی (مصنوعی) ہے لہذا یہ بچے بڑے ہو کر بہت خونخوار بنیں گے۔ ان عارضی مصلحتوں پر بحث نہیں کرتے۔

انسان کی طبعی ترقی زیادہ تر اس پر موقوف ہے کہ پہلے اپنے رشتہ داروں سے بھلائی کرنا سیکھے اور دوسروں کا حق اپنے برابر تسلیم کرے۔ یہ تربیت اپنے خاندان کے سوا اور کہیں نہیں ہو سکتی۔ انبیاء کی شرائع میں اس کو تعلیم کی اساس قرار دیا گیا ہے۔ صلۃ الارحام (صلہ رحمی) بہت اہم فرائض میں سے ہے۔ ہم اس بات سے غافل نہیں ہیں کہ رشتہ داروں کے تعلق (تقاضے) بعض اوقات آدمی کو ظلم پر مجبور کرتے ہیں لہذا رشتہ داروں کے تعلق سے (ہونے والا ظلم) دور کرنے کیلئے دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ اس کو تعلیم دی جائے کہ رشتہ دار اگر ظلم کرے گا تو اس کی رشتہ داری کا حق سلب ہو جائے گا۔ رشتہ داری کے طبعی جذبے ہیں۔ تعلیم کی خصوصیت یہ ہے کہ عدالت کی

محبت اس (رشتہ داری) سے زیادہ پیدا کر دی جائے جہاں رشتہ داری عدالت قائم کرنے کا ذریعہ ہے وہاں اللہ کی رحمت ہے۔ جہاں ظلم کا ذریعہ ہے وہاں آدمی میں عدالت کی محبت ہونی چاہیئے اور ظالم خاندان کو تھوڑی دیر کیلئے کوئی حق نہیں دیا جائے گا تو ایسے موقع پر رشتہ داروں کو حق نہ دینا اس کی حق پرستی کا سبب ہو جائے گا۔ وہ سمجھ جائیں گے کہ حق پرستی ایسی چیز ہے کہ رشتہ دار بھی ہمیں نہیں پوچھتا (خیال نہیں کرتا) (اس کی مثال) زنا ایک ظلم ہے اور نکاح سے اولاد پیدا کرنا فطرت کا طریقہ۔ اب ایک شخص دیکھتا ہے کہ ایک قوم زنا میں مبتلا ہے تو اس قوم کو یہ شخص تعلیم دے کر زنا سے متنفر کرے گا یا (مخنث) خصی کر دے گا؟ یہ عدل اور احسان اور **ایتاءِ ذی القربی** تین امر واجب ہیں۔ اب دوسرے تین کام بھی بنیادی ہیں جن سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔

(**وینهی عن الفحشآء**) بے حیائی کے کام سے منع کرتا ہے۔ حیاء کس کو کہتے ہیں؟ اس کی تفسیر مشکل ہے اور بے حیائی کی تفسیر آسان ہے۔ انسان کی طبیعت میں اس کام سے اطمینان رفع ہو جاتا ہے اور دوسری بات بھی ضروری ہے کہ خوف پیدا ہوتا ہے کہ میرے اس کام کو کہیں دوسرے لوگ نہ دیکھ لیں۔ تو یہ جو حالت ہے کہ ایک کام کو طبیعت اچھا نہیں سمجھی لیکن کرتی بھی ہے کہ طبیعت کو مزا آئے اور کرتے وقت یہ خیال آتا ہے کہ کوئی دیکھے بھی نہیں تو یہ حیا کی تفسیر ہے جس کو دو منفی معنوں سے واضح کیا گیا ہے یہ گناہ کی جڑ ہے حدیث شریف میں ہے کہ **الاثم ماحاک فی صدرک و کرهت ان یطلع علیه الناس۔** (گناہ وہ ہے جو تمہارے دل میں کھٹکے اور تم اس کو ناگوار جانو کہ لوگ اس پر واقف ہو جائیں) یہ بے حیائی ہے، اگر اس کی ضد کی جائے یعنی وہ کام کیا جائے اور لوگوں کی پرواہ نہ کی جائے۔ یہاں طبیعت کو حاکم بنایا گیا ہے کہ اگر طبیعت کہے کہ یہ کام برا ہے تو اس کو چھوڑ دیا جائے۔ جس نے خود میں یہ کیفیت پیدا کر لی وہ ترقی کرتا جائے گا۔ قرآن میں **فالهمها فجورها وتقوها** (اللہ نے انسانی نفس کے دل میں گناہ اور تقویٰ کا خیال رکھا ہے) کی یہی تفسیر ہے۔ انسان کے اندر سے آواز آئے کہ یہ کام کیا جائے یا نہ کیا جائے۔ جس کام کو لوگوں سے چھپاتا ہے اور دل میں کھٹکا ہوتا ہے اس کو چھوڑ دیا جائے تو یہ معنی ہے

ینھی عن الفحشآء ۔اب یقین ہے کہ دل میں کھٹکا نہیں ہے لیکن لوگ اعتراض کریں گے تو وہ عین حق ہے ہمت کرکے وہ کام کرلینا چاہیئے اور جاری رکھنا چاہیئے۔

(والمنکر) جس کام میں آدمی کی عقل تقاضا کرتی ہو کہ یہ کام ناجائز ہے تو وہ (کام) منکر ہے۔ کچھ عقلی کام ایسے ہوتے ہیں جن میں اس طبقے کے تمام لوگوں کی ایک ہی رائے ہوتی ہے۔ تو انسان جیسے عقل سے سمجھتا ہے کہ یہ کام خراب ہے اسی طرح اس کے بڑے بھی اس کام کو برا سمجھتے ہیں۔ یہ ذکی طبیعت کے لوگ ہیں جو پہلے عقل سے اس کو برا سمجھتے ہیں پھر سب لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ بھی اس کام کو برا سمجھتے ہیں۔ دوسرے لوگ دوسرے درجے کے ہیں، ان کی عقل اتنی ذکی نہیں ہے لیکن وہ لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اس کام کو برا سمجھتے ہیں۔ ایک حکیم نہایت باریک استدلال سے ثابت کرتا ہے کہ یہ کام برا ہے لیکن عام جماعت اس کی مخالف نہیں ہے تو وہ کام منکر نہیں کہا جائے گا۔ فحشآء میں انسان کی طبیعت کو حاکم بنایا گیا ہے، منکر میں سوسائٹی کو حاکم بنایا گیا ہے۔ جس کو لوگ برا سمجھتے ہیں۔ فحشآء میں دل میں کھٹکے کا دخل کافی ہے، منکر میں عقل تائید کرے کہ یہ کام برا ہے اور دلیلیں قائم ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ دلائل برائی پر قائم ہیں لیکن رائے عامہ مخالف ہوگئی تو وہ کام منکر میں داخل نہیں ہوگا۔ دیکھو اجتماع کا قانون میں کتنا دخل ہے۔ جماعت جس کو برا سمجھتی ہے اس سے پرہیز کرو۔ اللہ کا یہی حکم ہے۔ شرائع کے اختلاف میں اس کا بڑا دخل ہے۔ ایک قوم کی رائے عامہ میں ایک کام برا ہے تو وہ منکر ہے۔ دوسری قوم کے عقلمند سمجھتے ہین کہ یہ کام برا ہے لیکن رائے عامہ اس کے خلاف ہے تو وہ کام اس قوم کے نزدیک منکر نہیں ہوگا۔ (اسلام میں) چچا کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرنا منکر نہیں ہے لیکن ہندوؤں کے ہاں (منکر) ہے۔

والبغی۔ سوسائٹی، جماعت، اجتماع، جو الفاظ بھی استعمال کریں سب کے معنی ایسے افراد کا مجموعہ ہے جو فطری طور پر اپنی زندگی جداگانہ نہیں گذار سکتے۔ اس سوسائٹی میں بعض کام معروف ہیں یعنی رائے عامہ کے موافق ہیں اور بعض منکر یعنی رائے عامہ کے خلاف ہیں۔ سوسائٹی میں عام طور پر دو قسم کے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے، ایک مخدج، (ناقص الفطرت) جن

[illegible]

[illegible] امر بالمعروف ونہی عن المنکر [illegible]

[illegible]

[illegible] (Anarchist) [illegible]

(Anarchism)

Conscience